اسلام اور
تھیا کریسی

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ
وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ
وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ
مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔
(۱۲:۱۰۱)

پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور
باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا سکھایا۔ اے
آسمان و زمین کے بنانے والے! تو ہی میرا کارساز
ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ایسا
کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمانبرداری
کی حالت میں جاؤں اور اُن لوگوں میں داخل
ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

یہ تصریحات اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اسلام کا نظریۂ مملکت تھیاکریسی سے بالکل مختلف ہے، ایک کے نزدیک یہ ڈاکوؤں کا راج ہے؛ ایک ایسی برائی جس سے ہر شخص کو نفرت کرنی چاہیے۔ دوسرے کے نزدیک یہ ایک ایسی قوت ہے جس کی مدد سے انسان کو انسانوں کے بندھن سے آزاد کیا جا سکتا ہے اور اس لحاظ سے اللہ کا بہت بڑا فضل اور احسان۔ علامہ ابن خلدون نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

"سیاست عقلیہ محض فلاح دنیا کے لیے ہے جس سے محض دنیا کی ظاہری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور بس۔ اور شارع کا مقصود ہے اصلاح آخرت، اس لیے ضروری ہے کہ بمقتضائے شریعت عام خلائق دینی اور دنیاوی امور میں شریعت کے احکام کی کاربند رہے۔ پس

Marfat.com

رکِ منجانب اللہ اشاعتِ شریعت پر مامور ہوتے ہیں انہیں انبیاؑ
ور رسول کہتے ہیں اور جو ان کے بعد اُن کے قائم مقام ہو کر اُن کے
قانون کی حفاظت کرتے ہیں خلفاء کہلاتے ہیں۔ اب ہمیں مملکت اور
عقلی سیاست و خلافتِ نبوی کی تعریف یوں کرنی چاہیے کہ طبیعتِ
مملکت عامۂ خلائق کو سلطانی اغراض اور ہوا و ہوس کے پورا کرنے پر
مجبور کرتی ہے اور مملکتِ سیاسیہ حسبِ مقتضائے عقل دنیاوی
منفعت کے حصول اور دنیاوی نقصان کے دفع کرنے کا ذریعہ ہے۔
اور خلافت، احکامِ شرعیہ کے موافق ہی انسان کو اخروی و دنیاوی
مصالح کے راستے پر چلاتی ہے۔ آخرت تو اس کا مقصود بالذات
ہی ہے، رہے معاملاتِ دنیا تو وہ بھی شارع کے نزدیک بنا ہا
مصالح اخرویہ کی طرف راجع ہیں۔ کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے"

اسلامی حکومت کے فرائض

قرآن حکیم نے صالح سیاسی نظام کے وجود کو ہی ضروری قرار نہیں دیا بلکہ
نہایت صراحت کے ساتھ اُس کی ذمہ داریوں کو بھی گنوایا ہے۔ تھیاکریسی کو تو
لازماً مستبد اور جابر ہونا چاہیے۔ کیونکہ اُس کے مظالم کو سہنے کے بعد ہی عوام
کو گناہوں سے نجات حاصل ہوگی۔ اس کے برعکس اسلام نے حکومت پر فرض

Marfat.com

عائد کیا ہے کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کرے جس سے برائیاں مٹیں اور نیکیاں پروان چڑھیں۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے۔

(الحج۔۶)

اس آیت میں اسلامی حکومت کے مقصد اور اس کے بنیادی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں عوام پر ظلم کرنے کی بجائے، حکومت پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف خارجی خطرات اور اندرونی خلفشار کو دور کرنے پر اکتفا کرے بلکہ ایک مثبت پروگرام کے ساتھ ان بھلائیوں کو فروغ دینے کے لیے کوشش کرے جنہیں خدا اور اس کا رسولؐ بھلائی قرار دیتے ہیں اور ان برائیوں کو روکے جنہیں خدا اور رسولؐ برائی کہتے ہیں۔

(۱) اس سے ایک اور حقیقت بھی مکمل کر سامنے آتی ہے، تھیاکریسی اپنے مقصد کے اعتبار سے ایک ایسا نظام پیش کرتی ہے جس میں حکومت پر سوائے ظلم کرنے کے اور کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس کے

Marfat.com

برعکس اسلام حکومت پر کچھ ذمہ داریاں عائد کرتا ہے، جن کی بجا آوری اُس کے اولین مقاصد میں سے ہے۔ ان میں سے سب سے بڑی ذمہ داری شہریوں کے جان، مال، آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ اس چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے شہریوں کے اس حق کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:۔

ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرامٌ کحرمۃ یومکم ھذا۔

تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسی حج کے دن کی حرمت ہے۔

ان چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری کے ساتھ الا بحقھا وحسابھم علی اللہ کی قید لگا کر اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ ریاست کسی شہری کی ان چیزوں میں کوئی مداخلت صرف اسلامی قانون کے اندر ہی برداشت کر سکتی ہے۔

(ب) طبیعاتی سیاست میں برسر اقتدار طبقہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کے اموال سے جس قدر چاہے حصہ لے لے، اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کے خلاف کوئی بات بھی کر سکے۔ اسلام اس کے برخلاف ہر شہری کی ملکِ ذاتی کی جس کا وہ از روئے شریعتِ اسلامی جائز طریقہ سے مالک بنا ہے، حفاظت کرتا ہے۔ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

وَلَیْسَ لِلْاِمَامِ اَنْ یَّخْرُجَ — امام (حکومت) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ

Marfat.com

شیئًا من احد الا بحق ثابت معروف۔

وہ کسی ثابت شدہ قانونی حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی چیز نکالے۔

اگر کسی شخص کی ملک ذاتی پر حکومت کو کسی اجتماعی ضرورت کے لیے قبضہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اُس کے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو اس کی رضامندی حاصل کی جائے یا اُسے اُس کا معقول معاوضہ دیا جائے[1]۔

(ج) اسلام اور تھیاکریسی میں ایک اور فرق اُن کے عدالتی نظام کا اختلاف ہے۔ تھیاکریسی میں جج اقتدارِ اعلیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت سے منزہ عن الخطا سمجھا جاتا ہے۔ اُس میں دلوں کے راز جاننے اور قدرت کے اشارے سمجھنے کی قوت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ نہ تو کسی گواہ کی شہادت کا محتاج ہوتا ہے

---

[1] اس کی تائید میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے الاستیعاب جلد ۲ سے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے :-

"جنگِ حنین کے لیے جاتے ہوئے آپ نے صفوان بن امیہ سے زرہیں حاصل کی تھیں اور جب اُس نے کہا "اَغَصْبًا یَا مُحَمَّدُ" کیا بلا معاوضہ لے لینے کا ارادہ ہے اے محمد۔ آپ نے فرمایا نہیں "بل عاریۃ مضمونۃ" یہ مستعار ہیں اور جو ان میں سے ضائع ہوگئی ان کا معاوضہ دیا جائے گا"۔ (اسلامی ریاست۔ شہریت کے حقوق و فرائض)

Marfat.com

اور نہ مجرم کی صفائی کا۔ حقیقتِ حال لوگوں کی آنکھوں سے خواہ کتنی ہی اوجھل کیوں نہ ہو مگر اُس کے سامنے بالکل بے نقاب ہوتی ہے۔ چنانچہ ہنری چارلس لی (Henry charles Lea) اپنی کتاب A History of the Inquisition میں لکھتا ہے :-

"کسی مشتبہ گنہ گار کا فیصلہ عدالت میں آنے سے پہلے ہی ہو جاتا۔ منصف کی کوششوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ اُس بدنصیب کو ناانصافی سے بچایا جائے بلکہ یہ تھا کہ اُس سے کسی نہ کسی طرح جرم منوا کر کلیسا کی لاج رکھی جائے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے صفائی کے مواقع کم کر دیے گئے۔"

اس کے برعکس اسلام میں کسی شخص کی آزادی "معروف قانونی طریقے" پر اُس کا جُرم ثابت کیے بغیر اور اُسے صفائی کا موقع دیئے بغیر سلب نہیں کی جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کسی بڑے سے بڑے انسان کو بھی انبیاء کے معصوم نہیں سمجھتا۔ یہاں نہ تو کوئی غیب کا علم جانتا ہے اور نہ انبیاء کے علاوہ قدرت کا رازداں۔ اس لیے ہر شخص کو پوری صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ چنانچہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت ایسی روایات ملتی ہیں جن سے لوگوں کے اس حق کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

عن بھز بن حکیم عن ابیہ بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا

انّه (اعنی جدّہٗ) قام الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب فقال جیرانی بما اُخِذَ، فاعرض عنہ مرّتین، ثم ذکرہٗ ما شاء فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلّوا لہ جیرانہٗ

(ابو داؤد)

روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے دادا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ تو ان کے سوال کی طرف توجہ نہ فرمائی لیکن انہوں نے (سائل نے) پھر کچھ کہا تو آپ نے حکم دیا کہ اُن کے پڑوسیوں کو رہا کر دو۔

عن علیٍّ رضی اللہ عنہ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا علیؓ! اذا جلس الیک الخصمان فلا تقض بینھما حتی تسمع من الاخر کما سمعت من الاوّل۔

حضرت علی (کرم اللہ وجہہٗ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! جب تمہارے سامنے دو فریق معاملہ پیش ہوں تو ان کے درمیان اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک کہ دوسرے سے بھی اس کا بیان اسی طرح نہ سُن لو جس طرح پہلے کا بیان سُنا ہے۔

تقابلِ مقاصد

تھیاکریسی کی غایتِ اولیٰ یہی ہے کہ دنیا میں ایک ایسا ظالمانہ اور قاہرانہ نظام قائم کیا جائے جس میں لوگوں پر زیادہ سے زیادہ سختیاں کی جاسکیں، کیونکہ ان سختیوں کو برداشت کرنے سے ہی انسان کی عاقبت دُرست ہوسکتی ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کا اصل مقصد چونکہ لوگوں کی عاقبت سنوارنا ہے اس لیے اس زندگی میں جس قدر استبداد زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ عوام کے حق میں بہتر ہے۔ اس بنا پر اگر تھیاکریسی کی حدود میں کوئی فاقہ مستی کا شکار ہے، کوئی بیمار ہے کوئی بے گھر ہے، تو اسے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس دنیا میں جہنم کی سی سختیوں کو برداشت کرنے کے بعد ہی اُسے آخرت میں جنّت کی نعمتوں کی توقع ہوسکتی ہے۔ اب اگر حکومت کسی فرد کو بھوک اور افلاس

Marfat.com

سے نجات دلاتی ہے، اُس کے علاج کا انتظام کرتی ہے، اُسے مکان مہیا کرتی ہے تو وہ مشیت الٰہی میں حائل ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ حکومت الٰہیہ کہلانے کی مستحق نہیں۔ اسلام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ انسان دنیا میں خدا کا نائب اور خلیفہ ہے اور اس وجہ سے اس کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں رب العلمین کی ربوبیت سے فائدہ اٹھا کر اس کے احکام کے مطابق ایک ایسا صالح نظام قائم کرے جو اگر ایک طرف روحانی اور اخلاقی برتری کا ضامن ہو تو دوسری طرف سیاسی، تمدنی اور معاشی ترقی و کمال کا بھی حامل ہو۔ انہی وجوہ کی بنا پر اسلامی حکومت جہاں عوام کے اخلاق کو درست کرنے کا انتظام کرتی ہے وہاں اس بات کا بھی خیال رکھتی ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر رہنے والا کوئی فرد بھی زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم نہ ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انا وارث من لا وارث لہٗ اعقل لہ وأرثہٗ (ابوداؤد)	میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں۔ اس کی جانب سے دیت ادا کروں گا (اگر اس کے ذمہ واجب الادا ہوگی) اور اس کی وراثت لوں گا اگر اس نے چھوڑی ہوگی۔
السلطان ولی من لا ولیّ لہٗ۔	حکومت ہر اس شخص کی ولی (دست گیر و مددگار) ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم فان جاعوا او عروا وجھدوا فیمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القیٰمۃ ویعذبھم علیہ (محلّٰی ص۱۵۸)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریب بھائیوں کی معاشی حاجت کو بدرجۂ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے محض اس بنا پر کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کریگا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دیگا۔

اسلامی حکومت کی اسی ذمّہ داری پر بحث کرتے ہوئے مشہور محدّث ابن حزمؒ ظاہری تحریر فرماتے ہیں :-

"اور ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر بالِ فئے (بیت المال کی آمدنی) سے ان غربا کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے بہ جبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت

کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے حوادثات سے محفوظ رکھ سکے"

خلفائے راشدین اس ذمہ داری کو جس مستعدی و سرگرمی اور جس فیاضی کے ساتھ بلا کسی تاخیر کے ادا کرتے تھے، تاریخ عالم کا ہر ورق اس کا گواہ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی اپنی مشہور تصنیف الفاروق میں لکھتے ہیں :-

"اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ یہ عام حکم تھا اور اس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج، از کار رفتہ، مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب آٹا پکایا جائے۔ پک کر تیار ہوا تو تیس آدمیوں کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لیے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لیے دو جریب آٹا کافی ہے پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لیے اسی قدر آٹا مقرر کر دیا جائے۔ اعلان کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے :-

Marfat.com

انی قد فرضت لکل نفس مسلمة فی شهر مدی حنطة وقسطی خل

یعنی میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مُد گیہوں اور قسط بھر سرکہ مقرر کیا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لیے بھی۔ غربا اور مساکین کے لیے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیے جائیں۔ چنانچہ بیت المال کے عامل کو لکھ کر بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ "انما الصدقٰت للفقراء والمساکین" فقرا سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں[1]۔

نظام تھیا کریسی کو جو چیز غذا مہیا کرتی ہے وہ عوام کی جہالت ہے۔ اسی سے مذہبی طبقوں کی سطوت اور خدائی قائم رہتی ہے۔ اس لیے ان لوگوں نے علم دین اور اس کے حصول کو صرف اپنے تک محدود رکھا اور باقی لوگوں کے لیے یہ ایک "شجر ممنوع" قرار دیا گیا۔ مذہبی پیشواؤں کو یہ خوف لاحق تھا کہ "اندرون خانہ" مذہب کے نام پر جو کچھ کیا جا رہا ہے اگر اس کا عوام کو علم ہو گیا تو ان کی پیشوائی کا

---

[1] الفاروق از علامہ شبلی نعمانی

Marfat.com

طلسم ٹوٹ جائے گا۔ اور لوگ ان کے دام میں اتنی آسانی سے اسیر نہیں ہونگے، لہٰذا انہوں نے لوگوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی۔ اس کے برعکس نظام اسلامی میں خلفاء نے زندگی کی اس اہم حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا کہ جو چیز کسی فرد کے ضمیر کو حساس بناتی ہے اُسے خیر و شر میں بلا تاخیر تمیز کرنا سکھاتی ہے، وہ صرف علم کی قندیل ہی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کرتا، اور ان سے صحیح طور پر کام لینا سیکھتا ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ نت نئے تجربات کرتا ہے اور اس طرح اپنی زندگی میں توسیع و استحکام پیدا کرتا ہے۔ اسی سے خودی اپنی تقدیر کی تعبیر کرتی ہے۔ انسان اپنی ذات کے اثبات اور تکمیل کے لیے اس بات کا محتاج ہے کہ وہ نہ صرف اپنے گرد و پیش سے واقف ہو بلکہ اپنے آپ کو بھی اور اس کے مضمرات سے بھی اچھی طرح شناسا ہو تاکہ وہ جب بھی ماحول میں اپنے اس نصب العین کے مطابق تصرف کرنے کا ارادہ کرے تو اس راہ کی مشکلیں اس کے لیے آسان ہو جائیں۔ تھیاکریسی نے علم کو چند لوگوں کی میراث بنا کر طالب و مطلوب کے درمیان جو پردے حائل کر رکھے تھے اسلام نے ان سب کو تار تار کر دیا ہے اور ہر فرد کو نہ صرف موقع دیا ہے بلکہ اس پر فرض کیا ہے کہ وہ حق کو خود اپنی آنکھ سے دیکھے۔ اُس کی آیات پر خود غور و فکر کرے اور پھر اپنی عقل اور وجدان سے کام لے کر زندگی کا سفر شروع کرے[1] علم کی اسی فرضیت کو حدیث

---

[1] اسلام اور تھیاکریسی کے درمیان یہ فرق اتنا واضح ہے کہ اس نے دونوں کے (باقی صفحہ ۱۱۸ پر)

Marfat.com

میں یوں بیان کیا گیا ہے :-

(بقیہ حاشیہ صـ۱۱۷) فنِ تعمیر تک کو متاثر کیا ہے۔ چنانچہ اگر آپ دوسرے مذہبوں کے معابد پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ :-

"عمارت میں پُراسرار ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں بالکل اندھیرا ہے تو کہیں سورج کی روشنی کو رنگے ہوئے شیشوں میں گذارا گیا ہے تاکہ دماغ پر ایک مخصوص قسم کی اجنبیت اور ہیبت طاری ہو سکے۔ اسلامی عمارتوں میں اس قسم کی بازیگری مطلق روا نہیں رکھی گئی۔ مسجد کی اہم چیز صحن ہے جس میں زیادہ سے زیادہ روشنی اور ہوا آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ خود اسلام کا سارا فلسفۂ زندگی ہی ابہام پرستی اور رمزیت سے کوسوں دُور ہے۔ اسلام انسانی ذہن کو علم اور کلچر کے ذریعے زیادہ سے زیادہ منور کرنا چاہتا ہے۔ اسی آدرش کی علامت ہماری مسجدیں ہیں۔ مسجدوں کے زیرِ اثر دوسری اسلامی عمارتوں میں بھی یہ خصوصیت بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہاں ہوا اور روشنی پر کم سے کم پابندی لگائی جاتی ہے۔

پھر اسلامی عمارتوں کے نقشے بڑے سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔ اسلامی عمارتیں ہندو یا گوتھک عمارتوں کی طرح بھول بھلیاں نہیں ہوتیں۔ یہاں عمارت ساز بنیادی نقشے سے انحراف نہیں کرتا۔ ہندو عمارتوں کو

(باقی صـ۱۱۹ پر)

Marfat.com

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃٍ۔

علم کا حصول ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو جس قدر اہمیت دی ہے اُس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ بدر کی لڑائی میں جو قیدی گرفتار ہوئے اُن میں بعض تعلیم یافتہ قیدیوں کا فدیہ آپؐ نے یہ قرار دیا کہ وہ مسلمانوں کے کچھ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ اس کے علاوہ بالغوں میں تعلیم عام کرنے کے لیے حضورؐ نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا کہ مدینہ کے باہر کے مسلمان اپنے میں سے کچھ ذی صلاحیت افراد کو مدینہ بھیجیں تاکہ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے جب وہ لوٹیں تو پھر اُس سے پوری بستی کو بہرہ ور کریں۔ جن لوگوں کو حکومت کے بڑے بڑے مناصب عطا کیے جاتے انہیں بھی تعلیم کے متعلق خاص تاکید کی جاتی۔ چنانچہ عمرو بن حزم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸) دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ بنانے والے کو بیچ میں کوئی بات سوجھ گئی اور وہ کر گزرا مگر اسلامی عمارتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ذرا ذرا سی تفصیل پہلے سے سوچی ہوئی ہو۔ اسلامی عمارت سازشی جذبات یا اتفاقات کی پیروی نہیں کرتا بلکہ ایک عقلی اور اقلیدسی نقشے کے مطابق کام کرتا ہے۔"

(اسلامی فنِ تعمیر کی روح از محمد حسن عسکری)

Marfat.com

کو یمن کا گورنر مقرر فرماتے ہوئے کہا :-

"اور اُس کو یہ ہدایت کی کہ وہ حق پر قائم رہے۔ جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور لوگوں کو بھلائی کی خوشخبری اور بھلائی کا حکم دے۔ اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے اور ان میں اس کی سمجھ پیدا کرے اور لوگوں کو ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ لگانے سے روکے ..... اور لوگوں کی دلداری کرے یہاں تک کہ لوگ دین کا فہم پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں۔"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے خطبوں میں بار بار فرمایا کرتے تھے :-

اللّٰھم انی اشھدک علیٰ امراء الامصار فانی انما بعثتھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیھم۔	اے اللہ! میں اپنے تمام علاقوں کے عہدیداروں پر تجھ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے ان کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے دین اور ان کے نبی کے طریقہ کی تعلیم دیں۔

ایک دوسرے خطبہ میں عوام کو اپنے عہدیداروں کے اس فرض سے ان الفاظ میں آگاہ فرمایا ہے :-

---

لہ ابن ہشام بحوالہ اسلامی ریاست از مولانا امین احسن اصلاحی۔

ولکنی استعملتھم لیعلموکم کتاب ربکم وسنۃ نبیکم[1]۔

میں نے ان کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ تم کو تمہارے پروردگار کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی تعلیم دیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تعلیم کو عام کرنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں اُن کے متعلق مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

"تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کرکے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں ... خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر جاری کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن پاک کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔ مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیے گئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے[2]۔

---

[1] ابن ہشام بحوالہ ریاست اسلامی از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

[2] الفاروق شبلی نعمانی

Marfat.com

قرآنِ حکیم اور سنتِ نبوی نے جو بصیرت مسلمانوں کے اندر پیدا کی اس کی مدد سے انہوں نے انفس و آفاق پر غور کر کے خدا کی حکمتوں کو جاننا شروع کیا[1] اور اس طرح اپنے نظامِ تصورات اور نظامِ عمل میں صحیح توازن پیدا کیا۔ فکر و نظر کی اس تبدیلی سے مسلمان حکماء نے اپنے طرزِ استدلال کو بھی یکسر بدل دیا۔ انہوں نے بندھے ٹکے کلیات سے منطق کے بل پر جزئیات اخذ کرنے[2] کے معروف طریقے کو چھوڑ کر جزئیات کے تجربہ اور مشاہدہ سے کلیات اخذ کرنا سیکھا۔ اس طرح جدید سائنس کی بنیاد ڈالی۔ پھر اس میں بھی مسلمان مفکرین کا کمال یہ ہے کہ وہ اس راہ کے کانٹوں سے پوری طرح دامن بچا کر نکل گئے۔ استقرائی منطق اور تجربہ اور مشاہدہ اکثر اوقات انسان کو مادی دنیا کے "خم و پیچ" میں اُلجھا دیتا ہے اور اس طرح حقیقت تک پہنچنے میں اسے کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر اس کے ذریعہ انسان کے اندر ایک غلط قسم کی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ بسا اوقات وحی و الہام کی ضرورت کا انکار کر دیتا ہے۔ مسلمان حکماء نے اس

---

[1] قرآن پاک میں بار بار ذکر آتا ہے کہ فطرت کا مشاہدہ کرو۔ یہاں صرف دو آیتیں نقل کی جاتی ہیں ان فی السمٰوٰت والارض لاٰیٰت للمومنین (۴۵:۳) و کاین من اٰیۃ فی السمٰوٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون (۱۲:۱۰۵)

[2] استخراجی (DEDUCTIVE)

طرزِ استدلال سے بالکل ایک دوسری طرح کا کام لیا۔ اس عالمِ رنگ و بُو کی رنگینیاں اور رعنائیاں ان کی نظر کو فریب نہ دے سکیں۔ وہ ان سے گزر کر اس ذات تک پہنچے جس کے ایک معمولی اشارہ نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا۔ انہوں نے مادّی زندگی سے پُوری طرح فائدہ اُٹھا کر بھی اس کی مبالغہ آمیز قدر و قیمت سے احتراز کیا اور انسان کو فطرت کا تابع بنانے کی بجائے فطرت کا مسخر کرنے والا قرار دیا۔ پھر انہوں نے مشاہدہ اور تجربہ کی اہمیت کو پُوری طرح تسلیم کرتے ہوئے انسان کو یہ بتایا کہ ان کی کچھ حدود و قیود ہیں جن کو پھاندنا اس کے لیے سخت مہلک ہے۔ اس طرح انہوں نے عقل سے پُوری مدد حاصل کی مگر اس کی امامت اور پیشوائی کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ خود عقل کو بھی اس راز سے آشنا کیا کہ زندگی کے کون سے گوشے اس کی رسائی سے باہر ہیں۔ لہٰذا اسے اپنے آپ کو "ان کوچوں" میں نہیں لے جانا چاہیے۔ جہاں سے بالآخر اسے رسوا ہو کر لوٹنا پڑے۔ اسی طرح انہوں نے نہ صرف وحی و الہام کی ضرورت کو واضح کیا بلکہ عقل کو بھی ایک خطرناک گمراہی[1] سے بچایا، اور دنیا کو یہ حقیقت ذہن نشین کرائی

---

[1] اس مسئلہ پر اسلام کے بے شمار حکماء نے بحث کی ہے مگر ہم یہاں صرف ابن خلدون کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:-

"اپنے ذہن کے اس دعویٰ پر کبھی اعتماد نہ کرنا کہ وہ کائنات اور

(بقیہ صفحہ ۱۲۴ پر)

کہ انسان کی مادّی زندگی بھی اس بات کی محتاج ہے کہ اُسے ایک بالاتر روحانی زندگی کے تابع کیا جائے۔ اس ایک نقطۂ نظر کے مطابق مسلمانوں نے اپنے سارے نظامِ حیات کی تدوین کی۔ اسی کے مطابق ان کی معاشرتی زندگی وجود میں آئی۔

یورپ میں آج علم و ہنر کی جو روشنی موجود ہے وہ اس شمع کی رہینِ منّت ہے جسے نبیٔ آخر الزماں نے آج سے ۱۴ سو سال قبل عرب کے ریگستان میں فروزاں کیا تھا۔ یہ ایک اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس کو کسی صورت میں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مسلم تو کیا، بڑے بڑے متعصب غیر مسلموں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر گستاؤلیبوں اپنی کتاب "تمدّنِ عرب" میں اس کا یوں اعتراف کرتا ہے:-

"عربوں کے اندلس میں دسویں صدی میں پہنچنے کی بدولت یورپ کے ایک گوشہ میں علوم و ادب کا وہ چرچا باقی رہا جو ہر جگہ بلکہ قسطنطنیہ میں بھی متروک ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں بجز عربی سرزمین اندلس کے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) اسبابِ کائنات کا احاطہ کر سکتا ہے اور پورے وجود کی تفصیل پر اسے قدرت ہے۔ . . . ہمارے یہ ادراکات محدود اور حادث ہیں اور خدا کی قدرت اور اس کی مخلوقات اس سے کہیں زیادہ وسیع اور اس کے وجود کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ خارج ہے، اور اللہ کا احاطہ سب کو شامل ہے۔ بس اپنی قوتِ ادراک کی وسعت اور اپنے مدرکات کی تعداد پر (باقی صفحہ ۱۲۵ پر)

کوئی مقام نہ تھا جہاں علوم کی تحصیل ممکن ہوا در یہیں وہ خاص اور معدود اشخاص جن کو علم کا شوق تھا تحصیل کے لیے آتے تھے۔ ایک اختلافی

(بقیہ حاشیہ ۱۲۴) ہمیشہ شبہ کرو اور شریعت الٰہی کی تعلیمات پر ہمیشہ اعتماد رکھو اس لیے کہ اس کو تمہاری سعادت کا تم سے زیادہ خیال اور تمہارے منافع کا تم سے زیادہ علم ہے، اس کی منزل تمہاری منزل علم سے کہیں بلند اور اس کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے کہیں زیادہ وسیع ہے لیکن اس سے عقل اور اس کے مدارک پر کوئی حرف نہیں آتا۔ عقل ایک صحیح ترازو ہے اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی جھوٹ نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امور توحید امور آخرت، حقیقت نبوت، حقائق صفات الٰہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماورائے عقل ہیں تول نہیں سکتے۔ یہ لاحاصل کوشش ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لیے ہے۔ اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا جو ناممکن ہے اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے۔ اس طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس کے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی۔ وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ وہ اس کے وجود کے مقابلے میں ایک ذرہ ہے"

Marfat.com

روایت کی رُو سے جس کا غلط ہونا اب تک ثابت نہیں ہوا ہے۔ گربرٹ نے جو ۹۹۹ء میں سلوتر دوم کے نام سے پوپ بن گیا یہیں علم حاصل کیا تھا۔ جس وقت اس نے اپنے علم کو یورپ میں اشاعت دینا چاہی تو وہ یورپ کو اس قدر خلاف فطرت معلوم ہوا کہ انہوں نے اسی پر شیطان کے مسلط ہونے کا الزام لگایا۔ پندرہویں صدی تک کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہ دیا جاتا تھا جس نے محض عربوں سے نقل نہ کیا ہو۔۔۔

راجر بیکن، پیا کالیونا ڈویل قو کا آرنو، یا لل سنٹ ٹامس، البرٹ بزرگ قسطیلیہ کا الفانسس دہم، یہ سب بزرگ عربوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصنیفات کے نقل کرنے والے۔ موسیو رینان لکھتے ہیں "کہ البرٹ بزرگ نے جو کچھ پایا ابن سینا سے پایا اور سینٹ ٹامس کو اس کا سارا فلسفہ ابن رشد سے ملا"۔ ان ہی عربوں کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں پر علی الخصوص علمی کتابوں پر پانچ چھ صدی تک یورپ کے کل دارالعلوموں کی تعلیم کا دارومدار رہا۔ بعض علوم میں مثلاً طب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربوں کا تسلط خود ہمارے زمانہ تک رہا ہے کیونکہ صدی گزشتہ کے اخیر تک فرانس میں ابن سینا کی تصنیفات پر شروح لکھی جاتی تھیں"۔

تھیاکریسی اور اسلام میں ایک اور فرق یہ ہے کہ تھیاکریسی کا نظام حیات

Marfat.com

اس بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کہ نظام جس قدر غیر معقول ہوگا اسی نسبت سے اس کے ماننے والوں کو اپنے جذبۂ اطاعت و سپردی کی شہادت دینا آسان ہوگا۔ اس لیے اس نظام میں تعلیل و مصالح کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ یہ چند رسوم و احکام کا ایک ایسا انبار ہے جس میں کوئی سررشتۂ مصلحت پنہاں نہیں۔ اس طرزِ فکر کو سینٹ اگسٹائن نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

"میرا اس پر اس لیے ایمان ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔"[1]

اس طرح اس نظام میں وہی شخص زیادہ قابلِ قدر ہے جو احکامِ الٰہی کے مصالح کو سمجھنے کی کم سے کم کوشش کرتا ہے اور مذہب کے نام پر عائد کردہ پابندیوں کو بغیر اُن کے مقصد و منشا کو سمجھے بلا چون و چرا قبول کرتا چلا جاتے۔ اگر اس طرزِ فکر پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ

(۱) تھیاکریسی نے فکر و عمل کا ایک ایسا بے روح اور بے لچک ڈھانچہ پیش کیا جس میں میادیات سے لے کر فروعات تک کسی معمولی تبدیلی کی بھی گنجائش باقی نہ رہی۔

(۲) رائے کے اختلاف کو خواہ وہ کتنا ہی غیر اہم اور جزوی ہو بالکل برداشت نہ کیا جاتا۔

---

[1] CREDO A QUI, ALESURDUN

(۳) غور و فکر، تدبر اور تفکر کا پوری طرح گلا گھونٹ دیا گیا۔

جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات کا ایک سرسری سا جائزہ بھی لیا ہے وہ بھی اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا ہیں کہ اسلام کا نظامِ حیات معقول المعنی ہے، اس کی ساخت اور بناوٹ اس بات کی آئینہ دار ہے کہ اس کے بنانے والے نے انسانی نفسیات کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے اس لیے اس کی تعلیمات قرینِ عقل و دانش ہیں اور اس نے تبلیغ کا جو طریق اختیار کیا ہے اس سے ایک سلیم الفطرت انسان میں غور و فکر کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کے دفاع کے لیے متکلمین کا رواں در کارواں پیدا ہوتے۔ اسی کے معارف کو سمجھانے کے لیے غزالی، خطابی، عزالدین، ابن عبدالسلام، اشعری، ابن قیم اور شاہ ولی اللہ ایسے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے جنہوں نے نہایت ہی کاوش سے نہ صرف عبادات کے اسرار و رموز بیان کیے بلکہ معاشرت و اخلاق میں اسلام نے جو پابندیاں لگائی ہیں اُن کی حکمتوں سے بھی اہلِ دنیا کو آشنا کیا۔ اسی کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:۔

"لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت کے احکام میں کوئی خاص مصلحت نہیں، کوئی خوبی اور فائدہ پیشِ نظر نہیں ہوتا اور یہ کہ اعمال نیک و بد اور ان کی جزا سزا میں کسی قسم کی مناسبت کا ہونا ضروری نہیں۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرائض اور احکام سے

Marfat.com

لوگوں کو مکلف کیا ہے (ان کی بجا آوری ان پر فرض کی ہے) ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آقا اپنے غلام کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری کی آزمائش کرنا چاہتا ہو اور اس لیے وہ اس کو حکم دے کہ اس پتھر کو یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دو۔ . . . اس سے اس آقا کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ معلوم ہو جائے۔ ویسے اس غلام کے ایسا کرنے میں کچھ بھی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ یہ خیال محض غلط ہے، جس کی احادیث نبویہ اور صحابۂ کرام کے اقوال سے جس کو علمی زبان میں آثار کہا جاتا ہے تکذیب ہوتی ہے، صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا۔[1]

قرآن حکیم نے اکثر مقامات پر اس امر کی صراحت کی ہے کہ احکام خداوندی میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بے شمار حکمتیں موجود ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ	اس میں یقیناً نصیحت ہے اس کے لیے
كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ	جس کے پہلو میں دل ہو یا جو پوری توجہ
وَهُوَ شَهِيْدٌ - (ق)	کے ساتھ سنے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

Marfat.com

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (الانعام)	ہم نے آیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔
لَقَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۔ (الانعام)	ہم نے آیات کو ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔
تِلْكَ الْاٰيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ۔ (لقمان)	یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حکمت سے مملو ہے۔
سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نور)	یہ سورۃ ہے جسے ہم نے اتارا ہے، اور اس میں حدود و احکام کو بیان کیا ہے اور کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔
تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ (جاثیہ)	یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتری ہے جو عزیز اور حکیم ہے۔

یہ آیتیں صرف قرآن حکیم کے دعوت کے طریق سے متعلق ہیں۔ ان میں مسائل کو سلجھانے کا جو ڈھنگ اختیار کیا گیا ہے اُن میں انسان کی عقل سلیم

Marfat.com

سے اپیل کی گئی ہے۔ مثلاً

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ (انبیاء)

اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور خداؤں کا وجود ہوتا تو ان کے نظم و نسق میں غضب کا بگاڑ پیدا ہوتا۔

اسی طرح مختلف احکام دیتے وقت ان کی حکمت بھی بیان کر دی گئی "تاکہ آنے والے لوگ، اگر کبھی ضرورت محسوس کریں ان سے استنباط کر سکیں۔ مثال کے طور پر نماز کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ

اور نماز میری ہی یاد کے لیے قائم رکھو۔

پھر روزوں کے متعلق یوں فرمایا گیا ہے:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح ان قوموں پر فرض کیے گئے جو تم سے پہلے گزری ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

قصاص کا حکم دیتے ہوئے یوں کہا گیا ہے:۔

Marfat.com

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔

اے عقل والو! قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ توقع ہے کہ تم تقویٰ اختیار کروگے۔

احادیث میں بھی بعض احکام کے ضمن میں مصالح وعلل کی نشاندہی کا سراغ ملتا ہے جیسے غیر شادی شدہ آدمی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے روزہ کی عادت ڈالنی چاہیے۔ کیونکہ

فان الصوم له وجاء۔ "روزہ قاطع شہوات ہے"۔

سو کر اُٹھنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ کسی برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ:

انه لا یدری این باتت یدہ ۔

وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ رات بھر کہاں رہے۔

ایک عقلِ سلیم رکھنے والا انسان اسلام کے احکام پر جس قدر زیادہ غور کرے گا اتنا ہی وہ انہیں قرینِ عقل پائے گا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر اوقات شریعت کی تشریعی مصالح اور وجوہ پر غور کرتے جب کسی مسئلہ کی حکمت ان کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ اوّل تو باہم سوچ بچار کرتے اور

Marfat.com

اگر پھر بھی اُسے اپنے فہم سے بالاتر پاتے تو فوراً رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر جستجو کی جائے تو اس قسم کے اخبار و آثار اس کثرت سے ملتے ہیں کہ ان کا آسانی سے احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہاں صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابن عباسؓ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے، کہ اس سے مطلب نظافت اور صفائی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی باغ کے میوہ دار درختوں کو اس وقت تک فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ میوہ اچھی طرح پختہ نہ ہو اور یقین نہ ہو جائے کہ اب وہ ہر قسم کی آفت سے محفوظ ہو گا۔ زیدؓ بن ثابت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ کے اس حکم کے دینے کی وجہ یہ ہے اور اس میں یہ بات آپ کے پیش نظر تھی کہ اگر میوہ پک جانے سے پہلے درختوں کو فروخت کیا جائے تو ممکن ہے باغ پر کوئی آفت نازل ہو، اندریں صورت خریدار کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔[1]

"سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا ہے وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اشارہ ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے[1]"

اِن تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کس طرح تھیاکریسی کے برعکس انسان کی عقل و فکر، اور فہم و شعور کی قوتوں کو اُبھارتا ہے اگر مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بحیثیت مجموعی شاید ہی کسی مذہبی کتاب نے عقل کو اس قدر اُجاگر کیا ہو جتنا کہ قرآن حکیم نے کیا ہے۔

پھر اس کتاب پاک نے نہ صرف عقل کو جِلا دی ہے بلکہ اسے "سلیم" بنانے کے لیے بھی پوری کوشش کی ہے۔ اُسے اُس کی حدود سے آگاہ کیا، اُسے حیات انسانی کے سارے خطرناک راستوں کی واقفیت بہم پہنچائی۔ جدید تمدن نے بلاشبہ انسان کو عقل سے کام لینا سکھایا۔ مگر جب یہی عقل گمراہی میں مبتلا ہوئی اور بغیر وحی و الہام کی مدد کے نوعِ انسانی کی راہنمائی کا فرض سرانجام نہ دے سکی تو

---

[1] الفاروق از مولانا شبلی

Marfat.com

اس وقت عقل تباہ کن ثابت ہوئی۔ تہذیب جدید کی سب سے بڑی بدنصیبی اور نارسائی یہی ہے کہ اس نے عقل کو بے زمام چھوڑ دیا ہے کہ جدھر چاہے جائے اور جو چاہے کرے۔ اسلام نے عقل کی زمام کار وحی الٰہی کے ہاتھوں میں دے کر اس کی بے راہ روی کو ختم کر دیا ہے اور اس طرح اسے انسانیت کے لیے مفید اور کارآمد بنایا ہے۔

اس نے ایک طرف وحی والہام کی تکمیل کو بطور اساس تسلیم کرتے ہوئے زندگی کی ساری عمارت کو اس کے مطابق تیار کیا ہے، اور دوسری طرف اس نے تھیاکریسی کے جمود آفرین نظریہ کی جگہ حرکت کے اصول کو بھی اپنایا ہے۔ تھیاکریسی انسان کی رہبری اس معاشرہ میں کر سکتی ہے جو بالکل جامد، غیر متحرک اور بے حس ہو مگر جونہی معاشرہ نے ایک کروٹ لی، تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکلنی شروع ہو گئی۔ اس نے پوری کوشش سے راہوار زمانہ کو واپس لوٹانا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ تو مذہب کو خیرباد کہہ کر نئی قوتوں کے ساتھ جا ملے اور اہل مذہب نے اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ حالات کے تقاضوں سے یکسر آنکھیں بند کر کے، تنگ نظری اور تعصبات کی پناہ میں کچھ دیر وقت گزاریں۔ ظاہر ہے کہ ان کمزور سہاروں پر کوئی سوسائٹی زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ انقلاب کی آندھیوں نے ان سب کو فضا سے آسمانی پیوند کی طرح دیا۔ اور کچھ مدت گزرنے کے بعد ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

اسلام کی رُو سے مستقبل کے امکانات کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ ہاں مستقبل ذاتِ الٰہی کے علمِ کُلّی میں فعلیت اور تخلیق کی حیثیت سے مضمر رہا ہے، اس وجہ سے کہ ذاتِ واجب کے علم میں وہ سب امکانات ہوتے ہیں جو عالم میں تکمیل پذیر ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے اُس نے انسان کی پوری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے۔ تاہم اس میں کچھ مضمرات ایسے بھی ہیں جن کے اطلاقات نے روزِ ازل سے ہی تعین کی شکل اختیار نہیں کی۔ انہیں فہمِ انسانی کی سعی اور جہد کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلام بلا شبہ ایک مکمل دین، ایک متعین نظامِ حیات ہے جس میں زندگی کے ہر ہر گوشہ سے متعلق تفصیلی ہدایات ملتی ہیں لیکن وہ کبھی اس کا قائل نہیں کہ معاشرہ بجائے خود ساکن ہے اور اس میں کچھ ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر علماء اسلام اجتہاد کی مدد سے اُس روشنی کو جو عمومات کتاب و سنت میں پہلے سے پوشیدہ ہے، زمانہ کی ہر چال کے ساتھ منظرِ عام پر لاتے رہے اور اس طرح انہوں نے ہر دور میں نسلِ انسانی کی رہنمائی کی۔ انہوں نے نہ تو زمانہ کو پیچھے گھسیٹا، اور نہ ہی ہر نئی چیز کو بغیر سوچ کے سینہ سے لگایا، بلکہ تاریخ کی اضطراری رفتار سے جو نئے مسائل اُبھر کر سامنے آئے اُن کو اچھی طرح سمجھ کر کتاب و سنت سے اُن کا حل بھی پیش کیا۔ اس طرزِ فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان تنگ نظری اور تعصب کے اُن مسموم اثرات سے جنہوں نے تھیاکریسی کے پیروؤں کو برباد کیا ہمیشہ محفوظ رہے۔ اسلام کے ایک ولندیزی

نقاد نے اس حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے:۔

"جب ہم قانونِ اسلام کے ارتقا کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ ایک طرف ہر زمانہ کے علما معمولی معمولی بات پر اپنے مخالفین کی تکفیر بھی کرتے رہے مگر دوسری طرف یہی لوگ اپنے پیشروؤں کے باہمی اختلافات کو بھی برابر رفع کرتے رہے"

اسلام نے حیاتِ انسانی کے حرکی تصور کو پیش کر کے مسلمانوں کے قلوب کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ تھیاکریسی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھیاکریسی میں رائے کے معمولی اختلاف پر مذہبی عدالتوں Inquisition کے چہروں پر شکن آجاتے اور ان اختلاف کرنے والوں کو نہایت ہی عبرتناک سزائیں دی جاتیں۔ اسلام نے اس کے برعکس رائے اور مسلک کی آزادی کو پوری اہمیت دی ہے۔ اس باب میں اسلامی قانون کی سب سے بہتر وضاحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی ہے۔ ان کے زمانہ میں خوارج کا گروہ پیدا ہوا تھا جو آج کل کے انارکسٹ اور نہلسٹ گروہوں سے ملتا جلتا تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں وہ علانیہ اسٹیٹ کے وجود کی نفی کرتے تھے اور بزورِ شمشیر اس کو مٹانے پر تلے ہوتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا:۔

کونوا حیث شئتم وبیننا	تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے
وبینکم ان لا تسفکوا دما ولا	درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور

تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احداً۔ رہزنی نہ اختیار کرو اور ظلم سے باز رہو۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت علیؓ نے ان کو پیغام دیا کہ

لا نبدأکم بقتال ما لم تحدثوا جب تک تم فساد نہ کروگے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت میں کوئی گروہ جو خیالات چاہے رکھے اور پُرامن طریقے سے جس طرح چاہے اپنے خیالات کا اظہار کرے[1]۔ اسلامی حکومت اس کو نہ روکے گی البتہ اگر وہ اپنے خیالات زبردستی (By voilent means) مسلط کرے اور نظام ملکی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی[2]۔

یہی نہیں بلکہ وہ غیر مسلم جو اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں دے دیں انہیں نہ صرف زندگی کی وہ ساری سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں جن سے مسلمان متمتع ہوتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی حقوق اور

---

[1] مرتد کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ وہ جب اسلام کو چھوڑتا ہے تو ملکی قانون (The Law of the Land) سے بغاوت کرتا ہے اور باغی کی سزا قتل ہوتی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" از سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

[2] بحوالہ اسلامی دستور کی تدوین از سید ابوالاعلیٰ مودودی

Marfat.com

ان کے پرسنل لا کی بھی پاسبانی کی جاتی ہے۔[1]

آخر میں ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ اس فرق کو بیان کرتے ہیں جو اسلام اور تھیاکریسی کے نظامہائے معاشیات میں پایا جاتا ہے۔

ہم گذشتہ صفحات میں اس امر کی پوری طرح وضاحت کر چکے ہیں کہ تھیاکریسی میں دنیاوی ترقی ایک مہا پاپ ہے۔ اس کے مطابق یہ عالم ایک "مایا" یا دام کا دانہ ہے جسے شکاری نے خوبصورت اور پوشیدہ پھندوں کے درمیان بکھیر دیا ہے۔ اب جو کوئی اسے اٹھانے کی کوشش کرے گا وہی ان میں گرفتار ہوگا۔ لہٰذا انسان کے لیے عافیت اسی میں ہے کہ وہ اس دنیا اور اس کے معاملات سے پوری طرح کنارہ کش رہے۔[2] یہ نظریہ بظاہر کتنا ہی جاذب نظر کیوں نہ ہو مگر حقیقت سے اتنا دور ہے کہ ایک سماج کے سارے افراد اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند باعزم انسان اس دنیا سے منہ موڑ کر جنگلوں اور بیابانوں کی طرف

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے "اسلامی ریاست (۶) غیر مسلموں کے حقوق" از مولانا اصلاحی

[2] آنجہانی لارڈ ایسٹامپ نے اپنی کتاب عیسائیت اور معاشیات میں لکھا ہے:

"معاشی امور میں انجیل سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش عموماً ناکام رہی ہے۔ عیسائیوں کی مذہبی کتاب کسی خاص معاشی نظام یا سیاسی جماعت یا معاشی زندگی کے لیے کسی لائحہ عمل کو پیش نہیں کرتی۔"

Marfat.com

چلے گئے۔ باقی رہنے والوں میں ایک ایسا عیار طبقہ بھی تھا جو دوسروں کی کمائی پر جینا چاہتا تھا۔ اس طبقہ نے میدان میں کسی دوسرے کو اپنا مدمقابل نہ پاکر اپنے ان خطرناک عزائم کی تکمیل کے لیے مذہب کا سہارا لیا۔ اس سلسلہ میں جو پہلا کام اس نے کیا وہ یہ تھا کہ دوسروں سے اپنی برتری کو تسلیم کروایا۔ پھر انہیں یہ بات بھی ذہن نشین کرائی کہ اُن کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس کے عیش و آرام کے لیے سامان فراہم کرتے رہیں اور اگر وہ اس فرض کی بجا آوری سے روگردانی کریں تو وہ سخت مجرم ہیں۔ مثال کے طور پر چند احکام ملاحظہ کیجیے:

"برہمن اپنی پیدائش ہی سے دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ اور برہما جی نے اپنی عبادت کے زور سے برہمن کو اپنے مُنہ سے پیدا کیا ہے۔" دھرم کی رو سے نیچی ذات والا طمع سے بڑوں کے کرم (پیشہ) سے اوقات گزاری کرے تو راجہ اُسے بے زر کرکے جلد اپنے ملک سے نکال دے۔ برہمن کی سیوا (خدمت) شودر کا بڑا کرم (عبادت) ہے۔ اس کو چھوڑ کر اور جو کچھ کرتا ہے وہ سب نسپل (بے ثمر) ہے[1]

برہمن اور غیر برہمن کی اس تفریق کو خالص معاشی معاملات میں بھی روا رکھا گیا ہے۔ مثلاً قرض کی شرح سود برہمن سے فیصدی دو روپے، چھتری سے تین روپے، ویش سے چار روپے، اور شودر سے پانچ روپے[2]۔ اسی طرح کسی برہمن کی چار بیویاں

---

[1] منوسمرتی [2] ؍؍

Marfat.com

چار مختلف ذاتوں کی ہوں تو برہمن کا بیٹا چار حصے، کشتریہ کا بیٹا تین حصے، ویشیہ کا بیٹا دو حصے اور شودرہ کا بیٹا ایک حصہ لے گا۔[1]

پھر اس عیار طبقے نے پیشوں کی اس تقسیم کو اتنا مستقل بنا دیا کہ ایک انسان کے لیے ایک پیشہ کو چھوڑ کر دوسرے پیشے کو اختیار کرنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اور یہ ساری چالاکیاں اس لیے کی گئیں تاکہ لوگ ان کے چنگل سے آزاد نہ ہو سکیں۔ اس سلسلہ کا ایک فرمان ہے :۔

"اے کنتی کے فرزند! اپنا کرم (پیشہ) اگر باعیب بھی ہو تو نہ چھوڑنا چاہیے۔ سب کاموں کے آغاز عیب سے لپٹے ہوتے ہیں، اسی طرح جیسے آگ دھوئیں سے لپٹی رہتی ہے"[2]

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہندو کریسی میں بالعموم اہلِ پیشہ کو حقیر اور ادنیٰ تصور کیا جاتا ہے اور ان کی زندگی کی وہ قدر نہیں ہوتی جتنی کہ ایک بڑے طبقہ کے فرد کی۔ چنانچہ بائبل میں مذکور ہے :۔

"اگر آقا اپنے خادم یا خادمہ کو ایک ڈنڈا رسید کرے اور وہ اس وقت مر جائے تو اس کو سزا دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن زندہ رہے تو اس کو سزا نہ دی جائے گی کیونکہ وہ اس کا

---

[1] منوسمرتی [2] ؛

مال ہے[1]"

یہی نہیں بلکہ اس طبقہ نے اپنی عیش پرستی کے لیے وہ وہ طریقے وضع کیے جن کے تصور سے عقل عاجز ہے۔ لیوپولڈ رینک نے اپنی کتاب "تاریخ پوپ" The History of Popes میں ان کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ دولت کی ہوس اور مال کے عشق نے اس طبقہ کو اتنا مغلوب کر رکھا تھا کہ مذہبی عہدے اور منصب معمولی سامانِ تجارت کی طرح بکتے تھے اور ان کا نیلام بھی ہوتا تھا۔ جنت کے فیالے، مغفرت کے پروانے، نقضِ قانون کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ بے تکلف بکتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مذہبی عہدہ دار سخت راشی اور سود خوار ہو گئے اور دولت کو بے دریغ اڑانے لگے۔ ان کی فضول خرچی اور اسراف کا یہ حال تھا کہ پاپائے الوسینٹ ہشتم نے پاپائی کا تاج تک رہن رکھا۔ اسی طرح پاپائے لیو دہم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین پاپاؤں کی آمدنی اڑا ڈالی۔ یعنی سابق پوپ نے جو دولت چھوڑی تھی پہلے وہ خرچ کی اس کے بعد اپنی دولت، جب یہ بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے جانشین کی آمدنی کو پہلے سے وصول کر کے صرف کر ڈالا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مملکتِ فرانس کی پوری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لیے کافی نہ ہوتی تھی[2]۔

---

[1] بائبل ہجرت باب ۲۱ [2] معرکۂ مذہب و سائنس از ظفر علی خاں

اس پر مزید ستم ظریفی یہ کہ مملکت کے انتظام چلانے کے لیے جو روپیہ حاصل کیا جاتا اُس میں یہ طبقہ بالکل حصہ دار نہ ہوتا۔ اس قسم کے قوانین بنائے گئے جن کی رُو سے ٹیکسوں کا سارا بوجھ غریبوں پر پڑتا اور یہ لوگ ان کی زد سے بالکل محفوظ رہتے۔ منوسمرتی میں اس کی یوں صراحت کی گئی ہے :-

"بادشاہ خواہ کتنا ہی ضرورت مند کیوں نہ ہو، اُسے برہمن پر کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کرنا چاہیے"

اس قسم کے قوانین کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماج دو مختلف طبقوں میں بٹ گیا ایک طرف تو مذہبی گروہ ہر قسم کی عیاشیاں کرتا اور اس کی مقناطیسی حیثیت گرد و پیش سے مزید دولت سمیٹتی چلی جاتی اور دوسری طرف عوام ہر لحہ مفلوک الحال ہوتے چلے جاتے۔

اسلام تھیاکریسی کی طرح اس دنیا کو نہ تو "مایا" سمجھتا ہے اور نہ دام کا وہ جانور جسے شکاری نے خوبصورت جال میں پھنسا دیا ہے بلکہ اسے ایک حقیقت سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۔ (ص-۴)	ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ بیکار و ناحق پیدا نہیں کیا۔
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ	بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور

Marfat.com

الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ	دن رات کے الٹ پھیر میں بڑی نشانیاں
لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ	ہیں عقلمندوں کے لیے۔ جو اللہ کو یاد کرتے
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ	ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر
عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ	اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ رَبَّنَا مَا	پیدائش میں (اور ان کو دیکھ کر پکار اٹھتے
خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔	ہیں) کہ اے پروردگار تو نے اس کو بیکار
(آل عمران۔ ۲۰)	نہیں پیدا کیا۔

قرآن حکیم نے زندگی سے فرار اور کنارہ کشی کو نیکی سے تعبیر نہیں کیا بلکہ اُس کے نزدیک نیکی یہ ہے کہ ایسا صالح ماحول پیدا کیا جائے جس میں کسی قسم کے ناجائز انتفاع کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ کسی طبقہ کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ دوسروں کی کمائی ہوئی دولت پر عیش کرے یا اپنی خداداد صلاحیتوں سے وہ دوسروں کے جائز حقوق پر ڈاکہ ڈالے۔ اسلام مسلمانوں سے ایک ایسے نظام کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے جس میں ہر فرد حیاتِ مستعار کی چند گھڑیاں پورے سکون و اطمینان سے گزار سکے۔ اس لیے جس طرح اُس نے زندگی کے دوسرے معاملات میں ہدایت دی ہے اسی طرح اُس نے معاشی زندگی کے لیے وہ قوانین دیے ہیں جن کی مدد سے سماج میں ہر قسم کی بے انصافی اور لوٹ کھسوٹ کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں قرآن حکیم نے سب سے پہلے جس بنیادی حقیقت کو بے نقاب

Marfat.com

کیا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی عزت اور اصلی مفاخرت دولت کی فراوانی اور سرمایہ کی کثرت میں نہیں بلکہ دلوں کے تقویٰ اور اعمال کی صالحیت میں ہے۔ اس کے ساتھ اُس نے افراد کے ذہن سے اس غلط خیال کی بھی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی فرد بھی محض اپنی پیدائش کی بنا پر دوسروں پر برتری اور تفوق کا حقدار نہیں ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ - (۴۹ : ۱۳)

اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد اور ایک ہی نوع کی عورت سے پیدا کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو، اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اس لیے بنا دیئے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ نہ اللہ کے نزدیک تم سب میں قابلِ عزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام نے نہ صرف ہر قسم کے مصنوعی امتیاز کو یک قلم مٹا دیا بلکہ محنت اور مزدوری کے خلاف سماج میں جو جذبۂ نفرت موجود تھا اُسے بھی ختم کر دیا۔ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں اور بعد میں اس کا ذکر فخریہ طور پر فرماتے۔ آپ نے اُجرت پر بیوپار بھی کیا اور ارشاد فرمایا :-

الکاسب حبیب اللہ — پیشہ والے اللہ کے دوست ہیں۔

Marfat.com

اس کے علاوہ قرآنِ پاک نے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان پر فرداً فرداً اس کے تمام اچھے اور بُرے اعمال کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ اس لیے یہ خیال بالکل خام ہے کہ کوئی ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر سکتا ہے یا اللہ کے علاوہ انہیں معاف کر دینے کا مجاز ہے۔ اسلام نے اس توقع کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کوئی فرد بھی کسی بڑے سے بڑے تعلق اور کسی مضبوط سے مضبوط واسطہ کے طفیل جرائم کی پاداش سے بچایا جا سکتا ہے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (۶:۱۶۴)

ہر نفس جو کچھ کماتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھاتا۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (۶۰:۱)

قیامت کے دن تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد ہرگز کام نہ آئے گی۔ تمہارے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا۔ اور اُس کی نظر تمہارے عملوں پر ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (۳۵:۱۸)

کوئی شخص کسی دوسرے کا بارِ گناہ اپنے سر نہ لے گا اور کبھی پر گناہوں کا بڑا بار ہو اور وہ اپنا ہاتھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے تو وہ اس کے بوجھ کا کوئی حصہ اپنے اوپر

Marfat.com

نہ لیگا خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۔ (۳۱-۴)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جب کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔

ان آیات شریفہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق کوئی فرد خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہ تو کسی دوسرے کو نجات کا وعدہ دلا سکتا ہے اور نہ اُسے مغفرت کی دستاویز دینے کا حق رکھتا ہے۔ قرآن کی رو سے ان ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت بالکل حرام ہے۔ اور غالباً اسی قسم کی کمائی کے متعلق کلام پاک میں یہ تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

اے مومنو! یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں۔

(التوبہ۔ ۵)

خداوند تعالیٰ نے ایک مسلم سوسائٹی میں ایسی تمام چیزوں کے استعمال کو منع فرما دیا ہے جن کی ترکیب اُن عناصر سے کی گئی ہو جو یا تو جسمانی امراض کا

Marfat.com

معبد بنتی ہوں، یا لوگوں کے قوائے حیوانی کو برانگیختہ کرنے میں ممد و معاون ہوں، یا اُن کے استعمال سے غرور، خود نمائی، اور جابرانہ نخوت ایسے مذموم جذبات بھڑکتے ہوں۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا۔ (مائدہ: ۱۲) پس اللہ نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ۔ (البقرہ: ۱۲) اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارے لیے کھلا دشمن ہے۔

"حَلَالًا طَيِّبًا" کی تفسیر میں علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:۔

"طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لیے کہ نص قرآنی نے جن اشیاء کو حرام کیا ہے ان کی حرمت تو ذاتی ہے اور اس لیے مضطر کے علاوہ کسی حالت میں کسی کے لیے ان کا استعمال درست نہیں اور ان کے علاوہ جن اشیاء کی حرمت اُس شے کی حقیقت اور ذات میں نہیں پائی جاتی ہے بلکہ باہر کے اسباب سے حرمت آتی ہے، ان کی ممانعت طیب کہہ کر کر دی گئی ہے۔

پس جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریق کار سے حاصل نہیں کی گئی

Marfat.com

بلکہ ربا، رشوت، جوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی، وہ بھی حرام ہے اس لیے کہ طیب نہیں ہے۔ پس ہر خبیث شے حرام ہے خواہ وہ خبیث باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو۔"

اس کے علاوہ قرآنِ پاک نے بڑی سختی کے ساتھ مال دولت کے احتکار اور اکتناز کو منع فرمایا ہے تاکہ دولت کی گردش رُک کر عام لوگوں کی زندگی کو خستہ حال نہ کر دے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ

(توبہ: ۵)

اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے اُن کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا اور اب اس کے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

Marfat.com

اسی طرح قرآنِ پاک نے خرچ پر بھی پابندی عائد کر دی ہے تاکہ سماج کا کوئی طبقہ اپنی دولت کو عیش و عشرت میں ضائع نہ کرے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ... کھاؤ پیو اور اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (اعراف ۳۱) اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (۱۷ : ۳) بلاشبہ (اخراجات میں) حد سے تجاوز کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم فوائد القرآن میں "تبذیر" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور خدا کا دیا ہوا مال فضول خرچی میں مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا باعث بنے۔"

اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک نے وہ مدیں (ITEMS) بھی بیان کر دی ہیں جن پر ایک مسلم کو اپنا مال خرچ کرنا چاہیے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (۲ : ۱۹۴) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل) اور قرابت والوں اور مسکین اور مسافروں کو ان کا حق دو۔

Marfat.com

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔ (۵۱:۱۹)

اور ان کے اموال میں ضرورتمند اور تنگدست لوگوں کا حصہ ہے۔

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام ۱۴۱) اور کھیتی کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۔ (البقرہ: ۲۶)

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجیے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرو پس والدین کے لیے ہو اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے۔ اور جو نیکی بھی تم کرو بلاشبہ اللہ جاننے والا ہے۔

ان آیات سے اسلام کے نظام مالیات کا بھی ایک ہلکا سا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نھیا کر یسی میں امرا، جو بالعموم مذہبی طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہر قسم کے ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور محاصل کا سارا بوجھ تنہا غربا کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں یہ ذمہ داری انہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو فارغ البال ہوں۔ یہاں مفلسوں کے افلاس اور ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ حکومت پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ امرا کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کر کے انہیں غربا کی فلاح و بہبود پر صرف کرے۔ زکوٰۃ کی اصل غرض و

Marfat.com

غایت خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمائی ہے۔

تؤخذ من اغنیاءھم فترد علیٰ فقراءھم۔

مالداروں سے لی جائے اور ناداروں میں بانٹی جائے۔

ان تصریحات کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ اسلام نے جو معاشی نظام پیش کیا ہے وہ تھیاکریسی سے بالکل مختلف ہے۔ ایک صحیح مسلم سوسائٹی میں کسی طبقہ یا فرد کے لیے کبریائی کے ٹھاٹھ قائم کرنے کے لیے کوئی موقع نہیں۔ اس میں فرد جس قدر بھی زیادہ کماتا ہے اسی نسبت سے اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے اور اس لیے وہ انفاق پر مجبور رہتا ہے۔ اس لیے ایک مسلم معاشرہ میں یہ صورتِ حالات پیدا نہیں ہو سکتی کہ سادہ لوح عوام تو دن رات محنت کر کے کمائیں اور ان کی کمائی پر ایک طبقہ مذہب کی آڑ لے کر عیش و آرام کرتا رہے۔

Marfat.com

کتابیات

اس کتاب میں قرآنی آیات کے جس قدر تراجم درج ہیں وہ زیادہ تر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن سے مستعار لیے ہیں۔

(۱)۔ ابن کثیر دمشقی:

● تفسیر القرآن العظیم

(۲) علامہ شبیر احمد عثمانی:

● فوائد القرآن

(۳) مولانا اشرف علی تھانوی

● بیان القرآن

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد

● ترجمان القرآن

(۵) قاضی ابو یوسف

● کتاب الخراج

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی

● حجۃ اللہ البالغہ

Marfat.com

(۷) مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

(۱) تفہیم القرآن

(۲) اسلام کا نظریۂ ریاست

(۳) اسلامی دستور کی تدوین

(۴) اسلامی قانون

(۸) مولانا امین احسن اصلاحی

(۱) اسلامی ریاست

(۲) حقیقت شرک

(۹) شبلی نعمانی

الفاروق

(۱۰) مولانا سید سلیمان ندوی

خطباتِ مدراس

(۱۱) ڈاکٹر محمد اقبالؒ

ملتِ بیضاء پر ایک عمرانی نظر ترجمہ مولانا ظفر علی خان

(۱۲) ڈاکٹر گیستاؤلبون

تمدنِ عرب ترجمہ از سید علی بلگرامی

(۱۳) لیکی :- "تاریخ اخلاق یورپ ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریابادی

Marfat.com

(۱۴) ڈریپر

(۱۵) معرکہ مذہب وسائنس۔ ترجمہ مولانا ظفر علی خاں

(۱۶) مولانا ابوالحسن ندوی

(۱) مذہب وتمدن

(۲) مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا۔

(۱۷) ڈاکٹر حمید اللہ

رسول اکرم کی سیاسی زندگی

(۱۸) محمد مجیب

تاریخ فلسفہ وسیاسیات

(۱۹) عبدالوحید، خان

تاریخ افکار سیاسیات اسلامی

(۲۰) ڈاکٹر یوسف الدین

اسلام کے معاشی نظریے

مندرجہ ذیل رسائل اور جرائد سے بھی استفادہ کیا گیا

(۱) ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

(۲) ماہنامہ چراغ راہ کراچی

(۳) ماہنامہ فاران کراچی

Marfat.com

(۴) ماہنامہ زندگی رامپور

(۵) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

(۶) ہفت روزہ صدقِ جدید لکھنؤ

English

1. Sir Thomas Arnold : The Legacy of Islam.
2. J. K. Bluntschli : The Theory of the State.
3. Ernest Barker : Church, State and the Study
4. Robert Briffault : The Making of Humanity
5. William Barry : The Papal Manarchy
6. Collins : Unity, Catholic and Papal
7. Alfred Cobban : Dictatorship
8. Will Durrant : The Age of Faith
9. Ducoudrays : History of Modern Civilization.

10. Dr. Hameedullah : The Muslims Conduct of State.

11. Jhon Neville Figgis : Tne Political Aspect of St. Augustines City of God.

12. Mohammad Iqbal : The Reconstruction of Religious Thought in Islam.

13. Abdul Latif : Islamic Cultural Studies

14. Marmuduke Pictball : Islamic Culture

15. Ranke : The History of Popes

16. Plato : Republic

17. Charles Lea : A History of Inquisitions of Middle Ages.

Magazines

1. Muhammad Asad : "Arafat"

2. Fazal-ur-Rehman Ansari : The Voice of Islam.

Marfat.com

اسلام اور تھیا کریسی

Marfat.com